آمر سیاسی جماعتوں کی جمہوریت بچاؤ مہم

تحریر: سہیل احمد لون

پانامہ لیکس نے دنیائے سیاست کی موجوں میں ایک طلاطم برپا کر رکھا ہے حالانکہ اس وقت امریکہ میں انتخابی مہم جاری ہے مگر بین الاقوامی میڈیا پر خبروں کا محور و مرکز پانامہ لیکس ہیں۔ خصوصاً ان ممالک میں جہاں کے سیاستدان بلواسطہ یا بلاواسطہ اس میں ملوث ہیں وہاں پر جمہوری ردعمل قابلِ دید ہے اور پاکستان میں کل تک عمران خان کے دھرنے سے جمہوریت کو بچانے والے اب میاں محمد نواز شریف کو پانامہ لیکس کے بے قابو ٹرین کی زد میں آنے سے بچانا چاہتے ہیں جبکہ میرے خیال کے مطابق میاں صاحب کی اب تک کی حکمتِ عملی انہیں اس حادثے سے دوچار کر کے رہے گی۔ آئس لینڈ کے وزیراعظم نے اخلاقی جرات دکھاتے ہوئے اپنے جمہور کے ایک ہی مظاہرے کے سامنے ہتھیار ڈال کر مستعفی ہونے کا فیصلہ کر دیا۔ حیران کن طور پر ان کے عوامی ردعمل کو حکمران جماعت کے کسی فرد نے تماشہ نہیں کہا اور نہ ہی کسی نے ''جمہوریت'' بچانے کے لیے وزیراعظم کے دفاع میں پریس کانفرنس کی۔ مادر جمہوریت برطانیہ میں بھی اس کی بازگشت سنائی دی ڈیوڈ کیمرون کو پارلیمنٹ ہاؤس میں Dodgy Dave کہہ کر مخاطب کیا گیا مگر جمہوریت بچانے کے لیے کوئی درباری ان کے دفاع میں پریس کانفرنس کرتا دکھائی نہ دیا۔ اس وقت لندن میں میئر کے انتخابات کے لیے امیدوار اپنی انتخابی مہم چلا رہے ہیں۔ برطانیہ کی دو بڑی سیاسی جماعتیں لیبر اور کنزرویٹو پارٹی ہیں۔ کنزرویٹو پارٹی کے امیدوار Zac Goldsmith ہیں جبکہ لیبر پارٹی کے صادق خان میدان میں اترے ہیں۔ مالی لحاظ سے صادق خان کا مقابلہ زیک گولڈ سمتھ سے کسی طرح بھی نہیں بنتا مگر حقیقی جمہوریت میں سیاسی بصیرت اور قابلیت دیکھی جاتی ہے۔ نیویارک کے بعد لندن کا میئر دنیا میں اہم ترین میئر سمجھا جاتا ہے اس کے لیے کسی پاکستانی نژاد کا اتنے اہم منصب کے لیے امیدوار کھڑا کرنا پاکستانیوں کیلئے بہت بڑے اعزاز کی خبر ہے لیکن ہمیں اعزازات کی خبروں سے زیادہ عزیز کرپٹ حکمرانوں کی خبروں میں دلچسپی ہے سو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ بہت کم پاکستانی اس اعزاز سے واقف ہوں گے البتہ لفظ گولڈ اسمتھ سے شناسائی کے حوالے سے گفتگویں ضرور ہو رہی ہوں گی۔ صادق خان کے والد صاحب لندن میں بس چلاتے تھے اسی طرح کنزرویٹو پارٹی کے ایم۔ پی ساجد جاوید کے والد بھی بس چلاتے تھے۔ یہ جمہوریت ہی تھی کہ سعیدہ وارثی کنزرویٹو پارٹی کے کلیدی عہدے پر رہیں۔ برطانیہ کی دونوں بڑی سیاسی جماعتوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو لیبر پارٹی انیسویں صدی کے آخری عشرے میں بنائی گئی James Keir Hardie اس کے بانی تھے وہ لیبر پارٹی کے پہلے ممبر آف پارلیمنٹ تو بنے مگر وزیراعظم نہ بن پائے۔ 1924ء میں لیبر پارٹی کے پہلے وزیراعظم بننے کا اعزاز Ramsay MacDonald کے حصے میں آیا۔ اٹھارویں صدی میں Whig Party کے نام سے بننے والی پارٹی "Tory" میں تبدیل ہو کر بالآخر "Conservative" بن گئی۔ جسے برطانیہ میں سب سے زیادہ حکومت کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اس میں Sir Robert Peel، Sir Winston Churchill, سمیت آئرن لیڈی Margaret

Thatcher جیسے نام شامل ہیں۔اگر جرمنی کی سیاست پر ایک نظر ڈالی جائے تو وہاں بھی دو بڑی سیاسی جماعتیں ہیں سب سے پرانی سیاسی جماعت SPD ہے جو 1875ء میں بنائی گئی۔دوسری جنگ عظیم کے بعد جرمن قوم کو ایک نئے جذبے سے اٹھانے کے لیے دوسری بڑی سیاسی جماعت CDU کا قیام عمل میں آیا۔15 ستمبر 1949ء کو Konrad Adenauer نے CDU کے پلیٹ فارم سے پہلا جرمن چانسلر بننے کا اعزاز حاصل کیا۔وہ چار مرتبہ جرمن چانسلر منتخب ہوئے اور کسی بھی جمہوری حکومت میں 87 برس کی عمر میں ملک کی سربراہی کرنے کا ان کا ریکارڈ آج تک قائم ہے۔انہوں نے اپنے پندرہ برس کے اقتدار میں فلائی اوور، انڈر پاس اور موٹر وے بنانے سے زیادہ جمہوریت کو فروغ دیا،عوام کو بنیادی سہولیات فراہم کیں اور سب سے زیادہ توجہ تعلیم اور صحت پر دی۔1990ء تک جرمنی کی معاشی حالت دنیا کے بہترین ممالک میں شامل ہوگئی۔برطانیہ کی لیبر پارٹی اور کنزویٹو پارٹی اسی طرح جرمنی کی SPD اور CDU میں ایک بات مشترک ہے کہ وہ حقیقی جمہوری سیاسی جماعتیں ہیں۔ان پر کسی خاندان یا شخص کی اجارہ داری نہیں ہے جرمنی والے ہٹلر کی وجہ سے اتنے محتاط ضرور ہوگئے کہ انہوں نے کبھی کسی غیر ملکی کو اپنی سیاسی جماعت کا سربراہ نہیں بنایا کہیں وہ بھی ہٹلر جیسا آمر نہ بن جائے۔مگر برطانیہ میں اس بات کا بھی خوف نہیں۔ہوسکتا ہے کہ 5 مئی کو پاکستانی نژاد صادق خان لندن کا میئر منتخب ہوجائے۔لیبر پارٹی یا کنزرویٹو پارٹی میں عہدوں کے لیے باقاعدہ انتخابات ہوتے ہیں۔برطانیہ میں حالانکہ کوئی تحریری آئین موجود نہیں اس کے باوجود کوئی شخص جس کا تعلق کسی بھی مذہب، فرقے، نسل، یا جنس سے ہو وہ سیاسی جماعت اور ملک کی قیادت کرے تو غیر آئینی نہیں۔وطن عزیز میں گزشتہ چند دہائیوں سے دو سیاسی جماعتیں جمہوریت کے نام پر باریاں لے رہیں ہیں اور اِن کے درمیان تبدیلی کے لیے سویٹ ڈش کے طور پر بوٹوں والے آجاتے ہیں۔عمران خان نے تبدیلی کا نعرہ لگا کر تحریک انصاف کی بنیاد رکھی۔متحدہ قومی موومنٹ بھائی کے گرد، ق لیگ چوہدری برادرز کے قبضے میں، نون لیگ پر میاں برادرز کے خاندان کی اجارہ داری، پیپلز پارٹی پر بھی بھٹو خاندان کی مہر لگ چکی ہے چاہے وہ جعلی ہی کیوں نہ ہو۔جماعت اسلامی میں کسی حد تک ایسا نظام ہے کہ اس پر کسی شخص کے خاندان کا قبضہ نہیں مگر جماعتی عہدوں پر انتخابات وہاں بھی جمہوری طرز کے نہیں۔عمران خان جمہوریت کی مثال اکثر برطانیہ کی دیتے ہیں مگر وہ بھی انٹرا پارٹی الیکشن میں برطانوی ماڈل متعارف کروانے میں ناکام ہیں۔گزشتہ انٹرا پارٹی الیکشن میں بھی مخصوص ٹولہ قابض تھا۔پیراشوٹ سے جماعت میں داخل ہونے والے اعلی عہدوں کے لیے Nominate گئے جو dominate کر گئے اور وہ لوگ جو پہلے دن سے عمران خان کے نظریات کے ساتھ کھڑے قربانیاں دے رہے تھے ان کو قربانی کا بکرا بنا دیا گیا۔ایک مرتبہ پھر انٹرا پارٹی الیکشن کا اعلان کیا گیا تھا جس کے بعد ملک گیر مہم چلائی گئی، ایس ایم ایس کے ذریعے ممبر شپ لی گئی،عمران خان کے نظریاتی ورکروں نے دن رات محنت کرنا شروع کر دی۔جب وقت قریب آیا تو عمران خان نے غیر جمہوری طریقے سے خود ہی الیکشن کو موخر کرنے کا اعلان کر دیا حالانکہ یہ اعلان الیکشن کمیشن کو کرنا چاہیے تھا۔جس روز عمران خان قوم سے خطاب کرنے کا شوق پورا کر رہے تھے شاہ محمود قریشی اپنی بین بجا رہے تھے۔ پانامہ لیکس کے ایشو پر عمران خان احتجاج کرنا چاہتے ہیں مگر جماعتی تنظیم سازی کے بغیر احتجاج یا دھرنا تو بہت دور کی بات ہے ایک جلسہ کامیاب کروانا مشکل نظر آتا ہے۔عوام کو نکالنے کے لیے آخر ورکرز اور عہدے داروں کی ضرورت ہوتی ہے جس کے لیے الیکشن ہونا ضروری ہیں۔عمران خان نے آکسفورڈ

یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی اور یہاں زندگی کا بیشتر حصہ بھی گزارا۔ یہاں ٹریڈ یونین یا سٹوڈنٹ یونین کے انتخابات ہوں یا کسی سیاسی جماعت کے انٹراپارٹی الیکشن وہ خالصتاً جمہوری طریق سے ہوتے ہیں اس بات کی عمران خان مثالیں تو دیتے ہیں مگر عمل کرنے اور کروانے کی بات آتی ہے تو ایک مکروہ اور کورڑز دہ آمرانہ دلہن کو جمہوریت کا میک اپ کروا دیا جاتا ہے۔ ایک وقت میں میرے دل میں بھی وسوسے اٹھنے شروع ہو گئے تھے کہ کہیں عمران خان پر قوم واقعی اعتبار نہ کر لے لیکن عمران خان نے اپنی پے در پے سیاسی حماقتوں کی وجہ سے اُس نے پاکستان عوام کو ایسا کرنے سے روک دیا ہے۔ عمران خان کو بھٹو کی تصویر اپنے کمرے میں لگا کر رکھنی چاہیے تا کہ اُسے یاد رہے کہ بھٹو نے بھی اپنے وفادار ساتھیوں کو ذلیل کر کے چھوڑ دیا تھا اور پھر کال کوٹھری میں نصرت بھٹو سے ایک ہی سوال کرتا تھا' کیا عوام میرے لیے نکلیں گے ؟لیکن آمر سیاسی جماعتیں کبھی جمہوریت نہیں بچا سکتیں کیونکہ وہ جمہوریت لا بھی نہیں سکتیں۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

13-04-2016